اقبال: عصر حاضر کے نظامِ تعلیم سے شکایات کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ

Iqbal: A Critique of Contemporary Education

DOI: https://doi.org/10.54692/nooretahqeeq.2024.08022202

محمد سلیم سرور
Muhammad Saleem Sarwar
Ph. D Research Scholar, Department of Urdu
National University of Modern languages, Islamabad

پروفیسر ڈاکٹر مشتاق عادل
Prof. Dr Mushtaq Adil
Head of Urdu Department
University of Sialkot, Sialkot

Abstract:

Each nation has its own philosophy and objectives of life. The education system of every nation is built to achieve these objectives. Iqbal warns us not to replicate west in their systems as the Muslim Ummat has an entirely different view of life as compared to the western secular nations. His main critique on the contemporary education is from the same perspective. For Iqbal the very basic kernel of each Islamic concept and system is its relevance to the concept of Tawheed, and the main objective of an Islamic way of education is to strengthen its recipients' personality and individuality. The main question is whether the contemporary education is relevant to our own 'Deen' and whether our teachers are being able to develop dynamic Muslims. This research is qualitative in nature and analyzes Iqbal's educational thought through investigation of Iqbal's relevant literature. A substantial portion of Iqbal's work is on the development of individual and Muslim ummah, which is also one of the core objectives of education. Iqbal gives us clear directives for development of individual and what causes the failure in the development of the required vicegerent or Naib of the Creator. His complaint is directed towards the educationists and educational institutions in focusing on the western objectives of life and pinning down the students to petty matters of this life

rather than focusing on its higher endeavors. Before Iqbal the objective of the education should be the development of highly dynamic human beings with the enthusiasm and excitement to prepare for great challenges of life in the cause of molding world order as required by our Creator.

Keywords:

Urdu Poetry, modern poetic style, Aesthetic, significantly participated, Modern Poetry.

یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ ہر قوم کا نظامِ تعلیم اس قوم کے تصور علم کے تحت ہوتا ہے بالکل اسی طرح اقبال بھی جانتے تھے کہ ہماری قوم ایک مضبوط مذہبی تصور سے پیوستہ ہے۔ ہمارے خداوندانِ مکتب نے بنیادی تصور کو فراموش کر دیا اور مغربی تہذیب کی نقالی شروع کر دی اور پھر اس کا انجام واضح ناکامیوں کی صورت میں ہمارے سامنے ہے:

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی

اقبال کی نظر میں تعلیم کے معنی و مفاہیم:

تعلیم کے معنی معلومات کو جمع کرنا اور مخفی صلاحیتوں کو نکھارنا۔ اس کے ذریعے کس قسم کی معلومات جمع کی جاتی ہیں اور ان معلومات کے ذریعے کس قسم کی خوبیوں کو نکھارا جاتا ہے۔ ان معلومات کو جمع کرنے کے لیے کس قسم کے لوگ جمع ہوتے ہیں اور کہاں پر جمع ہوتے ہیں۔ اس قسم کی معلومات کو جمع کر کے کن لوگوں کے لیے استعمال کیا جاتا ہے یہ سب لوگ کیا کہلاتے ہیں۔ وہ موجودہ تعلیمی نظام کو دیکھتے ہوئے کن شکایات کا ذکر کرتے ہیں۔ وہ جن شکایات کا ذکر اپنی شاعری میں کرتے ہیں ان کا بچوں کی تربیت سے کیا تعلق ہے۔ یہ شکایات بچوں کو کس طرح برباد کرتی ہیں اور کن خرابیوں کا باعث بنتی ہیں۔ ان خرابیوں کا شکار یہ بچے جوان ہو کر اپنی قوم کے لیے کس قسم کی تباہ کاریوں کا باعث بنتے ہیں۔

کسی بھی عمارت کی پہلی اینٹ ٹیڑھی لگ جائے تو اس عمارت کی ساری دیواریں ٹیڑھی ہی بنتی ہیں۔ اقبال جانتے تھے کہ بچے کسی بھی قوم کی بنیادیں ہوا کرتے ہیں اگر بچوں کی تربیت کامل ہو جائے تو اس قوم کی دیواریں مضبوط ہو جاتی ہیں۔ وہ قوم ایک عام عمارت کی مانند نہیں رہتی بلکہ ناقابل شکست قلعہ کا روپ دھار لیتی ہے۔

علم کی اولین خصوصیت یہ ہے کہ وہ زندگی کے لیے خندہ سامانِ حقیقت مہیا کرے۔ اس کی ایک قسم انسان اپنی عقل سے حاصل کرتا ہے دوسری قسم جس کا تعلق وجدان یعنی ایمان سے ہے۔ یہ ذرائع باہم متصادم نہیں بلکہ مربوط ہیں۔ علم کے حصول کے لیے جب مراحل بنائے جاتے ہیں تو پہلا مرحلہ یقینِ کامل کا ہوتا ہے۔ جس علم کے لیے آپ سر

گرداں ہیں اس کے حصول میں بہت سے مسائل کا سامنا بھی ہوتا ہے۔ جس قدر ایمان مضبوط ہو گا اس قدر ہی اس علم کے حصول میں آسانی رہے گی۔

جوہر میں ہو لا الہ تو کیا خوف
تعلیم ہو گو فرنگیانہ (۱)

تعلیم کو دُر نایاب بنانے کے لیے ضروری ہے کہ اس کی بنیاد لا الہ پر ہو۔ یہ بھی اپنی جگہ ایک مضمون کی حیثیت رکھتا ہے کہ جس تعلیم کی بنیاد لا الہ پر رکھی جائے گی۔ اس تعلیم سے جو طبعی قوت ہاتھ لگے گی وہ شیطانی قوت کو آسانی سے مسمار کر سکے گی۔ تعلیم وہ تلوار ہے اگر اس کو ایمان کی مہار سے آزاد کر دیا جائے تو یہ بہت سی انسانی حدود کی گردنیں بہت آسانی سے اڑا سکتی ہے۔ اقبال عقل پر مبنی تعلیم کی اہمیت کے دل سے قائل تھے مگر اس کے لیے ایمان کے دامن کو مضبوطی سے تھامنا رکن اول ہے۔ اس حوالے سے اقبال، خواجہ غلام حسین کے نام اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں:

"علم سے میری مراد وہ علم ہے جس کا دارومدار حواس پر ہے عام طور پر میں نے علم کا لفظ انھی معنوں میں استعمال کیا ہے اس علم سے ایک طبعی قوت ہاتھ آتی ہے جس کو دین کے ماتحت رہنا چاہیے اگر دین کے ماتحت نہ رہے تو محض شیطانیت ہے۔"(۲)

اقبال وہ ماہرِ تعلیم تھے جو امتِ مسلمہ کو قرآن و حدیث کے نصاب کے ساتھ اتحاد کے مدرسے میں خودی کی تعلیم دینے کے لیے کوشاں رہے۔ وہ تعلیم کی اہمیت، افادیت اور تعلیم کے ذرائع کے حوالے سے گہری فہم رکھتے تھے:

وہ علم نہیں زہر ہے احرار کے حق میں
جس علم کا حاصل ہے جہاں میں دو کف جو(۳)

اقبال امتِ مسلمہ کی بنیادوں میں دین کی تعلیم کے داعی تھے۔ جس قوم کی تعلیم کی بنیاد دین پر مبنی ہو گی اس میں اخلاق کا مادہ لازمی ہو گا۔ اخلاق کسی بھی قوم کو روحانی طور پر مضبوط بناتا ہے۔ وہ دنیاوی تعلیم کے خلاف نہیں تھے بلکہ اس تعلیم کی بنیادیں دین سے وابستہ دیکھنا چاہتے تھے۔ ان کے نزدیک دینی تعلیم ہی بنیادی تعلیم ہے اور اس دینی تعلیم سے ہر قسم کی دنیاوی تعلیم کے سوتے پھوٹتے ہیں مگر اس دنیاوی تعلیم کی حدود دینی حدود کے اندر ہی رہنی چاہیں۔ جس قدر دینی تعلیم اور اس سے پیدا ہونے والی دنیاوی تعلیم کے درمیان ربط گہرا ہو گا اس قدر ہی انسان کی خودی مضبوط ہو گی۔ دینی تعلیم سے دنیاوی تعلیم کو علیحدہ رکھ کر بہتر نتائج کی توقع نہیں کی جا سکتی ہے۔ اُن کے نزدیک تعلیم کا بنیادی مقصد تو یہی ہے کہ وہ انسان کی قلبی ماہیت اور روحانی اصلاح کر کے اس کے اندر خودداری کی خوبیاں پیدا کر دے۔ اسے توحید، علم، عشق، بلند ہمتی، سخت کوشی، پاک دامنی، فقر، رواداری، دوراندیشی اور قناعت جیسی صفات سے آراستہ کر کے ایک مثالی انسان بنا دے۔

اقبال کے نظامِ تعلیم کی خصوصیات:

علم از سامان حفظِ زندگی است
علم از اسبابِ تقویمِ خودی است(۴)

اقبال کو مکتب کے ذمہ داران سے کس قسم کی شکایات رہی ہیں۔ تعلیم دینے کے لیے ضروری ہے کہ بہترین معلومات بہترین طریقے سے دوسروں تک پہنچائی جائیں۔ اگر حاصلانِ تعلیم کی صحیح رہنمائی نہ کی جائے تو یہی تعلیم ان کے لیے زہرِ قاتل ثابت ہو گی اور اس بے راہ روی کا شکار آج کے طالب علم نہ صرف کل کی منزل سے بھٹک جائیں گے بلکہ ہمیشہ کے لیے راہ میں طرح طرح کی خرابیاں بھی پیدا کریں گے۔ تعلیم ایک قوت ہے اور اس قوت کا صحیح استعمال انتہائی ضروری ہے۔ ڈاکٹر سلامت اللہ اپنی کتاب "تعلیم، فلسفہ اور سماج" میں لکھتے ہیں:

> "اگر تعلیم کا مقصد واضح نہ ہو، تو تعلیم ایک رجعت پرست قوت بن سکتی ہے۔ مثال کے طور پر ہمت، جواں مردی، وفا شعاری، مستقل مزاجی، فرماں برداری اپنی جگہ قابلِ تعریف محاسن ہیں، مگر یہی خوبیاں ڈاکوؤں کے کسی گروہ میں پیدا کر دی جائیں تو متمدن سماج کے لیے عذابِ جان بن جائیں گی۔"(۵)

تعلیم دیتے وقت انتہائی احتیاط برتیں اور مواد کو چھان بین کے بعد طالب علم تک پہچائیں۔ یہی وہ ابتدائی سیڑھیاں ہیں جن پر سے ہوتے ہوئے ہماری قوم کے معمار منزل پر پہنچ کر ہمارے لیے سرمایہ افتخار بنیں گے:

خودی ہو علم سے محکم تو غیرتِ جبریلؑ
خودی ہو عشق سے محکم تو صور اسرافیلؑ(۶)

تعلیم کی ایک خوبی یہ بھی ہونی چاہیے کہ وہ خودی کو محفوظ و مضبوط بنائے۔ اقبال کی ساری تعلیمات کا مرکز و محور خودی ہی کی حفاظت و ترقی کے گرد گھومتا ہے۔ اقبال کی نظر میں تعلیم وہی ہے جسے خودی کے مترادف کا درجہ حاصل ہو اور انسان کی دنیاوی تگ و تاز کو دین کے تابع رکھے، جس علم سے خودی محکم ہو وہ علم انسان کے لیے غیرت کی ڈھال بن جاتا ہے، غیرت ایک ایسا زیور ہے جو ضمیر کو مسیح کر دیتی ہے۔ جب ضمیر روشن اور بیدار ہو گا تو انسان اپنے اصولوں پر سمجھوتہ نہیں کرے گا بلکہ پوری انسانیت کا علمبردار بن جائے گا۔ یہی وہ تعلیم ہے جسے اقبال نے غیرت جبریل کا ثانی قرار دیا ہے۔ انسان کو قوتِ متخیلہ، قوتِ استدلال اور قوتِ حافظہ جیسی نعمتوں سے نوازا گیا ہے اس لیے اسے دنیا کو تسخیر کرنے کے لیے خود کو تیار کرنا چاہیے۔ ان کی نظر میں تعلیم کا حقیقی مقصد انسانی سیرت و کردار کی تعمیر کر کے اس کی تسخیر حیات کی صلاحیت کو تقویت پہنچانا ہے اور اس کے ساتھ ہی خدا، کائنات اور انسان کو ایک کلی نظام کی حیثیت سے دیکھنا ہے۔ لہذا محض مادی اور محض روحانی تعلیم کو مقصود ٹھہرا لینا درست نہیں۔ روح اور مادہ کو ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا جا سکتا اور تعلیم کا فرض

ہے کہ تن اور من دونوں کی ضروریات کو پیش نظر رکھے اور جسمانی اور روحانی تقاضوں کو یکساں اہمیت دے۔ اس کے ساتھ ہی تعلیم کا مقصد انسان کو تسخیرِ کائنات کے لیے تیار کرنا بھی ہے اور اسے ایسے سانچے میں ڈھالنا بھی کہ وہ خود کو مفید شہری بنا کر صالح معاشرہ وجود میں لانے میں مدد دے۔ تعلیم کو درست سمت میں رواں کرنا خداوندانِ مکتب کی ذمہ داری ہے، اگر خداوندانِ مکتب مطلوبہ مواد کا انتخاب نہیں کریں گے تو معلم چاہے جیسے بھی اعلیٰ ہوں اور طریقہ جیسا بھی نایاب ہو مگر سب کچھ بے سود ثابت ہو گا۔

اقبال کا ماننا تھا کہ تعلیم وہ ہے جس سے حقیقی مقاصد تک رسائی حاصل ہو۔ موجودہ تعلیمی نظام کو دیکھ کر اقبال کو یہ شکایت بھی پیدا ہوئی کہ ہمارے مکتب میں تعلیم دی جاتی ہے یہ بے مقصد ہے کیوں کہ اس تعلیم کے ذریعے انسان اپنی قوم کے مسائل تلاش کرنے اور پھر ان کو حل کرنے میں ناکام ٹھہرا ہے۔ دنیا کے کسی بھی ملک یا مذہب کا نظامِ تعلیم دیکھا جائے اس کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ اپنی قوم کو پستی سے نکال کر بلندی پر لا کھڑا کرے۔ شیخ محمد علی اپنی کتاب "نظریات و فکارِ اقبال" میں اس نکتے کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

> "اس تعلیم سے پیدا شدہ سب سے بڑا نقص یہ ہے کہ یہ ایسے افراد پیدا کرنے میں مکمل طور پر ناکام و نامراد رہی ہے جو زندگی کے حقیقی و دنیاوی مسائل کا حل جانتے ہوں یا ان کو سمجھنے کی استطاعت رکھتے ہوں۔ ان تمام امور کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ علم جب بے عقیدہ تو صرف سطحی رہ جاتا ہے اور اس کی کوئی ٹھوس افادیت باقی نہیں رہتی۔"(۷)

اقبال ہند کے مسلمان طلبا کو اسلامی طرزِ تعلیم سے روشناس کروانا چاہتے تھے۔ اقبال کی فکر جدید ہی نہیں جدید تر تھی کیوں کہ وہ جانتے تھے کہ جہاں مغربی تعلیم ضروری ہے وہاں اسلامی باطن بھی اہمیت کا حامل ہے۔ انھوں نے کبھی بھی اپنی قوم کے نوجوانوں کو خود سے الگ رکھ کر یا قوم کے باطن کو اسلام سے جدا نہیں دیکھا تھا۔ اقبال کو خداوندانِ مکتب سے شکایت ہے کہ یہ نوجوانوں کو جو تعلیم دے رہے ہیں وہ ان کو سائنس سے آشنا تو کروا رہی ہے مگر باطن سے غافل بنا رہی ہے۔ اقبال نے ضربِ کلیم میں جدید سائنس کی طرف یوں اشارہ کیا ہے:

جس نے سورج کی شعاؤں کو گرفتار کیا
زندگی کی شب تاریک سحر کر نہ سکا(۸)

اقبال کی اساتذہ اور خداوندانِ مکتب سے شکایات:

شکایت ہے مجھے یارب! خداوندانِ مکتب سے
سبق شاہین بچوں کو دے رہے ہیں خاکبازی کا(۹)

ہمارا نظامِ تعلیم اسلامی تقاضوں کو نبھانے سے قاصر نظر آتا ہے۔ اور یہ کمی ہنوز اپنی جگہ پر وقت کی اہم ضرورت

ہے کیوں کہ بحیثیت قوم ایسی تعلیم ہمارے نظریاتی ڈھانچے کی روح ہے۔ موجودہ نظامِ تعلیم میں ایسی تعلیم دی جارہی ہے جو خردمند کے لیے زہر ہے۔ اس میں صرف اور صرف مادیت کا درس دیا جاتا ہے۔ ایک بلند پرواز شاہین بھی رزق کھاتا ہے مگر اس کا شکار چیل کے شکار کی طرح مردار نہیں بلکہ اپنا شکار کیا ہوا ہلال گوشت ہے۔ خاکبازی کی تعلیم سے انسان صرف مادیت پرست اور چیل کی طرح مردار کا پروردہ بن کر رہ جاتا ہے۔ خاکبازی کا درس لینے والا بچہ دنیا کی دولت تو شاید وافر مقدار میں حاصل کرلے مگر غیرتِ ذاتی اور غیرتِ ایمانی جیسی دولت سے محروم ہو جاتا ہے۔ اقبال ایسی تعلیم کے حق میں تھے جو خودی کی حفاظت اور تربیت کرے۔ خودی وہ ہے جو آپ کے ایمان کو تقویت بخشے۔ اقبال کا ماننا تھا کہ جس تعلیم سے خودی کی حفاظت نہ ہو وہ نہ صرف بے سود ہے بلکہ سارے سماج کے لیے نقصان دہ بھی ہے۔

اقبال نے خداوندانِ مکتب سے شکایت کی ہے کہ وہ بچوں کو ظاہری تخمینِ ظن سکھا کر باطنی بے کراں مایہ سے محروم کر رہے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ اس نظامِ تعلیم میں بچہ کتاب سے باہر نکل کر کچھ سوچنے کی زحمت ہی نہیں کرتا اور اس کا دماغ لکیر کا فقیر بن جاتا ہے۔ جس بچے کے دل میں عشق پیدا کیا جانا ہو وہ دل تاریک کنواں بن کر رہ جاتا ہے۔ جس بچے کو مستقبل کا رہبر بننا ہوتا ہے وہ پیدائشی غلام بن کر رہ جاتا ہے۔ اس حوالے سے اقبال ضربِ کلیم کی ایک نظم "علم و عشق" میں لکھتے ہیں:

علم نے مجھ سے کہا عشق ہے دیوانہ پن
عشق نے مجھ سے کہا علم ہے تخمین و ظن
بندۂ تخمین و ظن! کرم کتابی نہ بن
عشق سراپا حضور، علم سراپا حجاب! (۱۰)

اقبال نے یہ شکایت کی ہے کہ یہ لوگ ایسی تعلیم دے رہے ہیں جو عشق سے بے نیاز ہے۔ یہاں عشق سے مراد عشقِ رسول اور تڑپ ایمانی ہے۔ جس تعلیم میں یہ خصوصیات موجود ہوں گی وہ حجاب میں رہ کر کسی رہبر کے پیچھے چلنے کی بجائے قوم سراپا رہبر بن جائے گی۔

ایسی تعلیم سے جس میں انبیاء کی سیرت شامل نہ ہو وہ کم بصری کا شکار ہو جاتی ہے۔ بصارت سے بصیرت تک کے سفر کے لیے تعلیم میں دین کا شامل ہونا ضروری ہے۔ اقبال اپنی نظم "علم اور دین" میں اس طرف یوں اشارہ کرتے ہیں:

چمن میں غنچہ تربیت ہو نہیں سکتی
نہیں ہے قطرۂ شبنم اگر شریک نسیم
وہ علم، کم بصری جس میں ہمکنار نہیں
تجلیات کلیم و مشاہدات حکیم! (۱۱)

اقبال کے ان شعروں میں موجود اشارے کے مطابق ، شبنم (دین) اگر دنیا کی تعلیم میں شامل نہیں تو غنچہ (بچوں) کی تربیت نہیں ہو سکتی، اقبال کو خداوندانِ مکتب ایک شکایت یہ بھی ہے کہ وہ جو پود تیار کر رہے ہیں وہ کم بصری کی حامل ہے۔ انھی اشعار میں کم بصری کو دور کرنے کا حل بھی بتا دیا ہے۔

اقبال کو خداوندانِ مکتب سے شکایت ہے کہ ان کی تعلیم کی بنیاد محسوسات پر مبنی ہے۔ جس چیز کو محسوس کیا جاتا ہے اسی کو تعلیم کو حصہ بنایا جاتا ہے اور اس قسم کی تعلیم سے مذہب کا پہلو کمزور سے کمزور تر ہوتا جاتا ہے۔ مذہبی تعلیم کے حصول کے لیے جنون کی ضرورت ہوتی ہے اور اس محسوسات کی تعلیم سے جنون کا جذبہ ماند پڑتا جا رہا ہے۔ اقبال محسوسات کی تعلیم اور مذہبی جذبے کے ماند پڑنے کے متعلق اپنی نظم "تضمین بر شعر میرزا بیدل" میں اس طرح اشارہ کرتے ہیں:

محسوس پر بنا ہے علومِ جدید کی
اس دور میں ہے شیشہ عقائد کا پاش پاش
مذہب ہے جس کا نام وہ ہے اک جنون خام
ہے جس سے آدمی کے تخیل کو انتعاش(۱۲)

اقبال کا خیال ہے جس تعلیم سے جنون کا مادہ نکل جائے وہ تعلیم معذور بن کر رہ جاتی ہے۔ یہ تخیل جیسی نعمت سے عاری ہو جاتی ہے۔ اس کی مثال یوں ہے جیسے ایک انسان معذور ہو جائے تو وہ ممکن ہے زندہ تو رہ لے مگر پہلے کی طرح کارکردگی نہ دکھا پائے بالکل اسی طرح معذور نظامِ تعلیم سانسیں تو لے رہا ہوتا ہے مگر تخیل کی نعمت سے محروم ہو جاتا ہے۔

اقبال چاہتے تھے کہ اہلِ مکتب وہ طالب علم پیدا کریں جن کے سینے میں مذہب دولت کی تڑپ موجود ہو۔ افسوس درافسوس اہلِ مکتب ایسے طالب علم پیدا کر رہے ہیں جن کا رجحان اس علم سے سرور حاصل کرنے میں ہے اور یہ طالب علم ذکر کا سکون حاصل کرنے سے قاصر ہیں۔ علم کی اس دولت نے دنیا کے پیچ در پیچ الجھے ہوئے مسائل سلجھانے کی فکر تو پیدا کر دی مگر ان غیور لوگوں کو دل کی وہ دولت نہیں دی جس سے وہ اپنا اور اپنی قوم کا حال اور مستقبل سنوار لیتے۔ انھیں اپنے نوجوانوں سے یہ بھی شکوہ ہے کہ یہ اقبال کو گریبان چاک دیکھ کر بھی اثر قبول نہیں کرتے۔ مکتب کے اساتذہ کو چاہیے کہ وہ اپنے طالب علموں میں ایسا دل پیدا کریں جو سماجی تہذیبی حالات کے مطابق اثر قبول کرنے والے ہوں۔ اقبال اپنی ایک غزل کے اشعار میں ان نکات کی طرف یوں اشارہ کرتے ہیں:

تیری متاعِ حیات ، علم و ہنر کا سرور
میری متاع حیات ایک دل ناصبور!
مصلحتاً کہہ دیا میں نے مسلماں تجھے
تیرے نفس میں نہیں گرمی ،یوم النشور (۱۳)

اقبال چاہتے تھے کہ میرے مسلمان طالب علم کے سینے میں قیامت کے دن سی گرمی ہونی چاہیے تا کہ وہ اپنے مد مقابل کو پگھلا سکے۔ علم انسان کو جہاں دنیا کی معلومات دیتا ہے وہاں اس کے سینے میں جذبوں کا بھی ایک نیا جہان پیدا کر دیتا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ یہ طالب علموں کے سینوں میں برف کی سی ٹھنڈک اور بھیڑ کی سی سستی پیدا کر رہے ہیں۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے زمین پر اپنا نائب بنا کر بھیجا ہے اور یہ نائب زمین پر موجود باقی تمام معاملات کے لیے ایک معیار کا درجہ رکھتا ہے۔ انسان ایک کسوٹی ہے اور اس کسوٹی کو اچھائی اور بہتری کا معیار بنانا انسان کے رہبر کے بس میں ہے۔ ذمہ دارانِ مکتب کو چاہیے کہ وقت اور سماج کی ضرورت مدِ نظر رکھتے ہوئے مواد کا انتخاب کریں اور معلمین کو چاہیے اس مواد کو لے کر متعلم کی باطنی صلاحیتوں کو ابھاریں۔ معلمین اگر کسوٹی کو بھول جائیں تو اس تعلم سے باطنی معیار کے اجاگر ہونے کی بجائے ظاہری ہوس جنم لے گی۔ انسان ایک کسوٹی ہے اس حوالے سے ڈاکٹر سلامت اللہ اپنی کتاب "فلسفہ، تعلیم اور سماج" میں لکھتے ہیں:

> "انسان تمام چیزوں کی کسوٹی ہے۔ انسان کی شخصیت قابلِ احترام ہے اور انسان میں کمال حاصل کرنے کی بے پایاں صلاحیت موجود ہے، وہ موزوں حالات میں خوب سے خوب تر بننے کی کوشش کر سکتا ہے۔ یہ فلسفہ تعلیم بچوں اور نوجوانوں کے اس حق کا دعوے دار ہے کہ انھیں وہ تمام وسائل اور سہولتیں مہیا ہونی چاہیے، جن کی بدولت ان کی جسمانی، ذہنی ، اخلاقی غرض ہر اعتبار سے مکمل نشوونما ہو سکے اور وہ اپنے سماج کے لیے زیادہ سے زیادہ کارآمد اور موثر رکن بن سکیں۔"(۱۴)

اقبال کو خداوندانِ مکتب سے ایک شکایت یہ ہے کہ جو یہ تعلیم دے رہے ہیں اس سے نوجوانوں کی معلومات تو بڑھ رہی ہے مگر فراغت کا بیج بھی جگہ پا رہا ہے۔ علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد عورت کے لیے ضروری ہے مگر اس علم کے ماخذات قرآن وحدیث ہی ہونے چاہیے۔ جس علم سے تحرک کی بجائے سستی پیدا ہو وہ علم نوجوان کے لیے موت ہے۔ جب ہم کسی کو ترقی کرتے ہوئے دیکھتے ہیں تو ہم خوش ہوتے ہیں مگر اس ترقی سے پیدا ہونے والے بگاڑ کو نظر انداز کرنے سے نئی نسل بے راہ روی کا شکار ہو جاتی ہے۔ انھوں نے اسی نکتے کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اس علم سے نوجوان نسل سہل پسند ہو چکی ہے۔ وہ اپنی نظم "تعلیم اور اس کے نتائج" (تضمین بر شعر ملا عرشی) میں کہتے ہیں کہ یہ جو تعلیم کا بیج بویا گیا ہے یہ ناکام ہو چکا ہے:

خوش تو ہیں ہم بھی جوانوں کی ترقی سے مگر — لب خنداں سے نکل جاتی ہے فریاد بھی ساتھ ساتھ
ہم سمجھتے تھے کہ لائے گی فراغت تعلیم — کیا خبر تھی کہ چلا آئے گا الحاد بھی ساتھ
گھر میں پرویز کے شیریں تو ہوئی جلوہ نما — لے کے آئی ہے مگر تیشہء فرہاد بھی ساتھ

"تخم دیگر بکف آریم و بکاریم زنو
کانچہ کشتیم زخجلت نتواں کرد درد(۱۵)

اقبال کہتے ہیں جس طرح خسرو پرویز کے گھر میں شیریں تو آگئی تھی مگر اپنے ساتھ اپنے عاشق کا تیشہ بھی لے آئی تھی۔ شیریں کا آنا تو مبارک تھا مگر تیشہ خسرو پرویز کے لیے خوش آئند نہیں تھا۔ مغربی طرز تعلیم نے ہمارے نظام تعلیم میں شامل ہو کر الحاد کو فروغ دیا۔ اس نظم کا آخری شعر ملا عرشی کا ہے جس میں اس نے کہا ہے کہ یہ بیج ناکارہ ہو چکا ہے، اب اس کی جگہ نئے بیج کو لانا ہو گا بالکل اسی طرح وہ بھی کہتے ہیں کہ اب اس نظامِ تعلیم کی جگہ کسی نئے نظام کو لانا ہو گا۔

انھیں نے خداوندانِ مکتب سے یہ شکایت ہے کہ یہ لوگ نوجوان نسل کو علمِ فلکیات مطلب چاند ستاروں کا علم تو دے رہے ہیں۔ حقیقت کی دنیا سے دور کر رہے ہیں۔ اس علم کا کیا فائدہ جو انسان کو دور کہیں آسمان کے چاند ستاروں تک تو رسائی دے دے مگر اپنے باطن تک نہ پہنچا سکے۔ اصل تعلیم وہی ہے جس سے انسان اپنے باطن سے آشنائی پیدا کر سکے کیوں کہ باطن کو پہچاننے سے خدا اور خدا کی مخلوق سے حقیقی واقفیت ہو جاتی ہے۔ "شرح ارمغان حجاز" ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی نظم "تعلیم" کی شرح میں لکھتے ہیں:

> "اس بلند فکر کا کیا فائدہ جو محض ستاروں اور سیاروں کے گرد گھومتی ہے (یعنی یہ صحیح سہی کہ علم فلکیات انسان کی بلند فکری کا حامل ہے لیکن اس سے انسان کا باطن تو روشن نہیں ہو تا یعنی وہ روحانی و دینی جذبوں سے عاری رہتا ہے۔ اس لیے ایسی بلند فکر بے فائدہ ہے۔) ایسے فکر یا اس قسم کے علم کی مثال تو بادل کے اس ٹکڑے کی طرح ہے جو ہوا سے فضا کی وسعتوں میں بے کار ادھر اُدھر اڑتا پھرتا ہے۔ لیکن برستا نہیں۔"(۱۶)

اقبال کو شکایت ہے کہ جس مغربی طرزِ تعلیم سے نوجوان نسل نے سورج کی شعاؤں کو گرفتار کرنا تو سیکھا مگر باطن میں جھانکنانہ سیکھا!۔ وہ جانتے ہیں کہ اس طرزِ تعلیم سے سادہ لوح مسلمان نوجوان ایک دن انسانیت سے محبت کو فراموش کر بیٹھیں گے۔ ان کے نزدیک مغربی طرزِ تعلیم یا سائنسی تعلیم بری نہیں ہے بس وہ یہ چاہتے ہیں کہ ہر قسم کی تعلیم کے باطن میں اسلام کا زندہ ہونا ضروری ہے۔ اسلام نے علم و حکمت کو خیر کثیر قرار دیا ہے۔ یہ علم و حکمت خیر کثیر تب ہی بن سکتا ہے جب یہ علم انسان کے لیے نہ صرف دنیا کی منزل کی راہیں ہموار کرے بلکہ آخرت کی منزل کا بھی راہی بنا دے۔ یہ علم و حکمت تب ہی خیر کثیر اور دنیا و آخرت کی کامیابی کی کنجی بن سکتا ہے جب اس کی عنان انسان کی روح کے تابع رہے۔ علم و حکمت جب روحانی جذبہ سے فرار اختیار کرتا ہے تب یہ خیر کثیر بننے کی بجائے ابلیس کا ہم راہی اور 'شر' کا گہوارہ بن جاتا ہے۔ وہ اس طرف اپنے فارسی اشعار میں اشارہ کرتے ہیں:

دل اگر بندد بہ حق پیغمبری است ورز حق بیگانہ گردد کافری است
علم را بے سوز دل خورانی شر است نور و تاریکیء بحر و بر است
قوتش ابلیس را یارے شود نور، نار، از صحبت نارے شود
علم بے عشق است از طاغوتیاں علم با عشق است از لاہوتیاں
بے محبت علم و حکمت مردہء عقل تیرے بر ہدف ناخوردہء(۱۷)

اقبال کی اس بات کو بنیاد بنا کر مفکرین نے جس باطنی جذبہ کو مسلمان بچوں میں پیدا کرنا ضروری سمجھا تھا وہ جذبہء اسلام تھا۔ طالب علموں کے ذہن میں معلومات کا ذخیرہ بھر دینا ہی کافی نہیں بلکہ اس ذخیرے کو مقصدیت کا الماسی جامہ پہنانا بھی انتہائی ضروری ہے۔ یہ صرف اقبال کے دل کی آواز نہیں تھی بلکہ پوری قوم کی آواز تھی کیوں کہ قومیں جب ترقی کی شاہراہ پر چڑھ رہی ہوں تب انھیں صرف سواری کی نہیں بلکہ ایک ایسی سواری کی ضرورت ہوتی ہے جو انھیں منزل کا راستہ بتانے کے ساتھ ساتھ منزل تک بھی پہنچائے۔ ہماری قوم کیوں کہ منزل کا یقین ہے اس لیے اسے ایسی تعلیم کی ضرورت ہے جو ان کے نظریات و مفادات کے تابع ہو اور مقصدیت سے بھرپور ہو۔ اقبال کی اسی بات کی تائید ڈاکٹر محمد امین اپنی کتاب ''ہمارا تعلیمی بحران اور اس کا حل''میں یوں رقم طراز ہوتے ہیں:

''ہمارا نظام تعلیم بحران کا شکار ہے اور ناکام ہو چکا ہے۔ اس کی ناکامی کا سب سے بڑا مظہر یہ ہے کہ وہ اپنے اہداف کے حصول میں ناکام ہو چکا ہے۔ دیکھیے! ہر قوم کا نظامِ تعلیم ان معتقدات پر مبنی ہوتا ہے جن پر وہ قوم ایمان رکھتی ہے اور نظام تعلیم کا یہ کام ہوتا ہے کہ وہ ایسے افراد تیار کرے جو اس معاشرے کے قول و عمل سے مطابقت رکھتے ہوں اور یوں اس کے ایک مفید شہری کے طور پر اس معاشرے کے اہداف و آدرشوں کے حصول میں اپنا کردار ادا کر سکیں۔ پاکستان میں بسنے والے مسلمان اپنے یکساں عقیدے اور نظریہ ءحیات کی بنا پر ایک قوم ہیں لہٰذا اس کے نظامِ تعلیم کا ہدف صرف یہی ہو سکتا ہے کہ وہ ایسے افراد تیار کرے جو اسلامی فکر پر یقین رکھتے ہوں اور اس کے تقاضوں پر عمل کرتے ہوں تا کہ وہ دنیا و آخرت میں کامیاب ہوں اور پاکستانی معاشرہ دنیا میں ترقی اور عظمت کی منزلیں طے کر سکے۔''(۱۸)

زندگی کے اعلیٰ مقاصد کی گرفت سے آزاد ہو جانے کے بعد انسان مادی زندگی کے علمی اور عملی اشغال میں کھو کر رہ جاتا ہے۔ جس انسان نے دنیا و آخرت کے عظیم مقاصد کو حاصل کرنا تھا وہ انسان حرص کا پجاری بن کر رہ جاتا ہے۔ دنیا کی ہر قوم حتیٰ کے ہر شخص کا علم کسی نا کسی تصور تحت ہوتا ہے اور تصور جس قدر عظیم ہو گا وہ قوم اور شخص اس

قدر ہی کامیاب ٹھہریں گے۔ اقبال مغربی تہذیب یا یورپ کو اسی لیے پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھتے تھے کے انھیں معلوم کرنا تھا کہ اُس تہذیب نے انسان کو مادی زندگی سے لاہوتی زندگی کا سفر نہیں سکھایا بلکہ مادی زندگی کو ہی سب کچھ بنا کر دکھا دیا۔ اس طرح جس شخص نے اعلیٰ جوہر پانا تھا اور لافانی اقدار کا حامل انسان بننا تھا وہ شخص مادی زندگی کو مقصود بالذات بنا کر رہ جاتا ہے۔ یہ شخص عشق کا جوہر، روح کی طاقت اور خدا کے نائب جیسی تمام صفات کھو بیٹھتا ہے۔ اقبال کی انھی باتوں کی طرف ڈاکٹر غلام عمر اپنی کتاب "اقبال کا انسان کامل" میں اشارہ کرتے اور اقبال کے اشعار بھی نقل کرتے ہیں:

> "آہ یورپ زین مقام آگاہ نیست چشم او بنظر بنور اللہ نیست
> مغرب میں انسان کی فکر و عمل کی ساری کاوشیں، صرف انسان کی مادی ہستی کے گھومتی ہیں۔ سارے علوم و فنون، اور ان کی شاخ در شاخ تخصیص کا لامتناہی سلسلہ، حکومت و سیاست، جمہوریت، آمریت یا اشتراکیت کے مختلف نظام حتیٰ کے مذہب کے ادارے کی حسبِ ضرورت تشکیل و ترتیب، غرض زندگی کے تمام اداروں کا بنیادی موضوع انسان کی مادی ہستی ہے۔"(۱۹)

اقبال کا خیال ہے کہ جب کسی انسان کی زندگی پر مادیت مجموعی طور پر غالب آجائے تو وہ شخص باطنی طور پر کمزور ہو جاتا ہے اور پھر اس کا روحانی جذبہ مضمحل ہو جاتا ہے۔ جب کسی مجموعی قوم کا روحانی جذبہ کمزور پڑ جاتا ہے تب وہ قوم نہ صرف عارضی مقاصد کے حصول میں ڈانوالاڈول نظر آتی ہے بلکہ مستقل منزل سے بھی بھٹک جاتی ہے۔ جیسا کہ درج بالا اقتباس میں اس بات کی طرف اشارہ بھی کیا گیا کہ اس نامرادی کی زد میں صرف ایک شخص نہیں بلکہ پوری قوم اور قوم کے تمام شعبے آتے ہیں۔ جب قوم کے ذہنوں کے تمام حصے مادی ضرورتوں سے بھر جائیں گے تو پھر اس قوم کے دل و دماغ میں اچھائی اور تربیت کے لیے کوئی حصہ خالی نہیں بچے گا۔ اقبال اس بات کی یوں وضاحت کرتے ہیں:

> پُر ہے افکار سے ان مدرسہ والوں کا ذہن خوب و ناخوب کی اس دور میں ہے کس کو تمیز
> چاہیے خانہءدل کی کوئی منزل خالی شاید آجائے کہیں سے کوئی مہمان عزیز(۲۰)

اقبال کہتا ہے کہ آج ہمیں اپنے بچوں سے اکثر یہی شکایت رہتی ہے کہ وہ اچھے اور برے یا نیک اور بد کی تمیز نہیں کر پاتے، اس شکایت کے اصل ذمہ دار تو مدرسہ والے ہیں کیوں کہ وہ بچے کے ذہن میں صرف مادیت کے افکار بھرتے ہیں۔ مادیت کے افکار بچوں کے ذہنوں میں اس قدر سما چکے ہیں کہ اب ان کے ذہنوں میں اخلاقیات کے مہمان کے لیے کوئی گنجائش نہیں بچی۔

انھیں شکایت ہے کہ اس نظام تعلیم نے افکار تو پیدا کیے مگر افکار اور ذہن کے تصور میں ربط پیدا نہیں کر سکے

جب کسی نظام تعلیم کے مواد اور اذہان میں ٹھوس ربط پیدا نہیں ہو گا تو اس کے نتیجے میں خالی الذہن اور وہم کا شکار لوگ پیدا ہوں گے۔ ایسے افراد اپنی قوم کے لیے تو کجا اپنے لیے بھی تاریکی میں روشنی پیدا کرنے میں ناکام رہیں گے۔ اقبال اپنی نظم "عصرِ حاضر" میں اس طرف اشارہ کرتے ہیں:

پختہ افکار کہاں ڈھونڈنے جائے کوئی　　اس زمانے کی ہوا رکھتی ہے ہر چیز کو خام
مدرسہ عقل کو آزاد تو کرتا ہے مگر　　چھوڑ جاتا ہے خیالات کو بے ربط و نظام
مردہ لادینی افکار سے افرنگ میں عشق　　عقل بے ربطیِ افکار سے مشرق میں غلام (۲۱)

اس قسم کی تعلیم سے پختہ ذہن لوگ پیدا نہیں ہو پا رہے جہاں پختہ خیالی مفقود ہے وہاں کمزور ایمانی اور عشق سے خالی دل بھی جنم لے رہے۔ یورپ کی تعلیم نے اگرچہ عقل کو آزادی دی ہے مگر اس آزادی کے نتیجہ میں وہ کوئی مضبوط ربط پیدا نہیں کر سکے۔ جب انفرادی طور پر بے ربط ذہن جنم لیں گے تو اس کے نتیجہ میں افراد اور اقوام کے درمیان فاصلے بڑھیں گے۔

عصر حاضر کے مسلمانانِ ہند نے یورپ کی نقل کر کے نہ صرف تخلیقی قوت کھو دی بلکہ بے کاری کو گلے لگا لیا۔ یہی وہ خطہ ہے جہاں لوگ محنت و مشقت کو فخر سمجھتے تھے مگر آج یورپ کی نقل کے بعد لوگوں نے بے کاری اور سہل پسندی کو اپنا شعار بنا لیا ہے۔ اقبال اپنی نظم "ایک سوال" میں اس طرف اشارہ کرتے ہیں:

کوئی پوچھے حکیم یورپ سے　　ہند و یوناں ہیں جس کے حلقہ بگوش
کیا یہی ہے معاشرت کا کمال　　مرد بیکار و زن تہی آغوش (۲۲)

عہدِ قدیم میں ہند اور یونان علم و حکمت کے مرکز مانے جاتے تھے مگر آج یہ دونوں خطے غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں۔ جب کوئی شخص یا قوم لکیر کی فقیری اختیار کر لیتی ہے تب وہ تخلیقی جہتیں کھونے کے ساتھ ساتھ کامیابی کی راہیں بھی مسدود کر بیٹھتی ہے۔ اقبال کو شکایت ہے کہ ہمارے کم فہم مرد حضرات نے یورپ کی نقالی کر کے بیکاری کی راہ اختیار کر لی ہے اور خواتین نے یورپ کی خواتین کی نقل کرتے ہوئے بچوں کی پیدائش میں دلچسپی لینا چھوڑ دی ہے اور فارغ البالی جیسے شغل کو اپنا لیا ہے۔ یورپی تہذیب کی نقل کرنے کے بعد مسلم قوم کے نوجوان تخلیقی اذہان کے حوالے سے محدود و مقید ہو کر رہ گئے ہیں۔

اقبال نے جن شکایات کا ذکر کیا ہے یہ سب نکات مسلم قوم کے نوجوانوں کے لیے زہر قاتل ثابت ہوئے ہیں۔ اقبال نے فلسفہ کو جس ایک لفظ میں بیان کیا جا سکتا ہے وہ 'خودی' ہے۔ خداوندانِ مکتب نے اپنی قوم کے نوجوانوں کی خودی کو فروغ دینے میں نہ صرف کوتاہی برتی بلکہ اس کی حفاظت سے بھی غافل رہے اور نتیجتاً روحانی طور پر ایک مفلوج قوم پروان چڑھتی رہی۔ اقبال نے برسوں پہلے جن نکات کی نشاندہی کی تھی وہ نکات آج ہمارے نظام تعلیم کی ناکامی کے

کلیدی اسباب کے طور پر سامنے آئے ہیں۔ ڈاکٹر محمد امین نے اپنے نظام تعلیم کی ناکامی کا ذکر کرتے ہوئے اپنی کتاب "ہمارا تعلیمی بحران اور اس کا حل" میں ان نکات کی طرف یوں اشارہ کیا ہے:

> "جب یہ واضح ہو گیا کہ ہمارا نظام تعلیم ناکام ہو گیا ہے اور بحران کا شکار ہے تو دو اور دو چار کی طرح واضح طور پر یہ بھی جان لینا چاہیے کہ اس کی ناکامی کا سبب کیا ہے؟ ہمارے نزدیک اس کی ناکامی کے دو بنیادی سبب ہیں: ایک تو یہ کہ اسلامی تقاضوں پر پورا نہیں اترتا اور دوسرے یہ مغربی فکر و تہذیب کی نقالی پر مبنی ہے۔"(۲۳)

اقبال نے نظام تعلیم اور خداوندان مکتب سے جو شکایات کیں، ان شکایات کو دیکھتے ہوئے یہ بات سامنے آتی ہے کہ ہم نے اپنے بنیادی تصور کو پس پشت ڈال کر آگے کی جانب قدم بڑھانے کی کوشش کی تھی۔ ترقی کرنا ہر فرد واحد کا پیدائشی حق ہے مگر جب یہ ترقی اس شخص کو اس کے روحانی اور تہذیبی تصور سے جدا کر دے گی تو وہ شخص اپنی قوم اور تہذیب سے کٹ کر رہ جائے گا اور بنیادی اقدار کھو دے گا۔ موجودہ دور میں ہماری نوجوان نسل پر چھائی ہوئی مغربی تہذیب کو رد کرنے کے لیے ہمارے علمائے کرام کا کردار نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر محمد امین اپنی کتاب "ہمارا دینی نظام تعلیم" میں لکھتے ہیں:

> "مغربی تہذیب آج کی غالب تہذیب ہے اور مسلمان معاشرے طوعاً و کرہاً اس کی تقلید کر رہے ہیں لہٰذا مغربی تہذیب کی پیروی کی وجہ سے مسلمان معاشرے بہت سے مسائل کا شکار ہیں۔ علما کرام کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ مسلم معاشروں کی رہنمائی کریں، ان کو مغربی تہذیب کی وجہ سے پیدا ہونے والے مسائل کا حل ان کو بتائیں۔"(۲۴)

اقبال بھی یہی چاہتے تھے کہ ہمارا نظامِ تعلیم مغربی تہذیب سے پاک اور خالص اسلامی اقدار کا حامل ہو۔ افسوس کہ ہماری تہذیب نے اسلامی اقدار کو اپنا کر اس کو ترویج دینے کی بجائے مغربی تہذیب کو اپنا لیا جو روحانی طور پر کمزور اور نام نہاد تہذیب ہے جیسا کہ ڈاکٹر محمد امین نے بھی اس نکتہ کی طرف اشارہ کیا کہ ہمارے علمائے کرام کو مغربی تہذیب کے بھوت کو ہمارے نظام تعلیم سے خارج از بحث کرنا چاہیے۔

اقبال کے نظریہء تعلیم کے مطابق سب سے پہلے ہم اپنے نظام تعلیم میں سے ان کمزوریوں کو تلاش کریں۔ افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ قریباً ایک صدی کا عرصہ گزر جانے کے بعد بھی ہم اپنے نظام تعلیم میں اقبال کے نشان دہندہ نقائص کو نقائص نہیں سمجھ سکے اور اگر کوئی ان کمزوریوں کو کمزوریاں سمجھتا بھی ہے تو وہ ان کے حل کے لیے کوئی ٹھوس لائحہ عمل تیار کرنے میں ناکام رہا ہے۔ ہماری نوجوان نسل کی خودی کو محفوظ و مضبوط بنانے کے لیے ضروری ہے کہ ان کو اسلامی اقدار کا حامل بنایا جائے۔ نوجوان نسل کو روحانی طور پر مضبوط بنانے کے لیے ضروری ہے کہ ان کو اپنے تصور

تعلیم سے روشناس کروایا جائے اور مغربی تہذیب کو رد کرنے کے قابل بنایا جائے۔ مغربی تہذیب کو رد کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اس تہذیب کے نقائص کو عقلی بنیادوں پر نوجوان نسل کے سامنے پیش کیا جائے اور اس کے متبادل کے طور پر اسلامی تہذیب میں سے عملی جامہ پیش کیا جائے۔

اقبال کی علامت زدہ شکایات کو دور کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اسلامی اقدار کو عقلی دلائل و براہین کے ساتھ نظامِ تعلیم کا حصہ بنایا جائے تاکہ نوجوان نسل بذات خود مغربی تہذیب کو ٹھکرا سکے۔ مذکورہ بالا شکایات کا خلاصہ یہ ہے کہ ہمارا نظام تعلیم تصورِ خودی سے محروم، عشقِ محمد میں کمزور، روحانی جذبے سے معذور اور اسلامی اقدار سے دور ہو چکا ہے۔ ان کی نظر میں امتِ مسلمہ کے نظام تعلیم کی یہی وہ اقدار ہیں جو دنیا و آخرت کی حقیقی کامیابی کی ضامن اور کامیاب نظامِ تعلیم کا نصاب ٹھہرتی ہیں۔

۱۔ امتِ مسلمہ نے اپنے نظام تعلیم کے سلیبس کو فراموش کر دیا ہے۔
۲۔ امت مسلمہ خودی اور تعلیم کے تعلق کو بھلا بیٹھی ہے
۳۔ خداوندان مکتب نے مغربی تہذیب کی نقالی کو اپنا تعلیمی شعار بنالیا ہے۔
۴۔ عصرِ حاضر کے مسلم نوجوان اسلامی تعلیم کے حقائق اور مغربی تہذیب کے نقائص کو جاننے سے عاری ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ محمد اقبال، علامہ، مکتوباتِ اقبال، مرتبہ سید نذیر نیازی، لاہور: اقبال اکادمی، ۱۹۷۷ء، ص:۲۶۷
۲۔ محمد اقبال، علامہ، کلیات اقبال (بالِ جبریل)، اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن، ۲۰۱۴ء، ص:۳۴۲
۳۔ محمد اقبال، علامہ، ضربِ کلیم، لاہور: کپور پرنٹنگ پریس، ۱۹۴۴ء، ص:۱۶۶
۴۔ محمد اقبال، علامہ، اسرار خودی، شرح (یوسف سلیم چشتی) لاہور: اقبال اکادمی، ۱۹۴۴ء، ص:۳۱
۵۔ سلامت اللہ، ڈاکٹر، تعلیم، فلسفہ اور سماج، دہلی: مکتبہ جامعہ ملیہ، ۱۹۷۴ء، ص:۱۶
۶۔ محمد اقبال، علامہ، کلیات اقبال (بالِ جبریل)، ص:۳۹۱
۷۔ محمد علی، شیخ، نظریات و افکارِ اقبال، اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن، ۱۹۸۴ء، ص:۱۶۲
۸۔ محمد اقبال، علامہ، ضربِ کلیم، ص:۶۷
۹۔ محمد اقبال، علامہ، کلیات اقبال (بالِ جبریل)، ص:۳۶۸
۱۰۔ محمد اقبال، علامہ، ضربِ کلیم، ص:۱۳
۱۱۔ ایضاً، ص:۱۹

۱۲۔ محمد اقبال، علامہ، کلیات اقبال مع شرح، لاہور: مکتبہ دانیال، س۔ن، ص:۱۵۶
۱۳۔ ایضاً ص:۱۲۵
۱۴۔ سلامت اللہ، ڈاکٹر، تعلیم، فلسفہ اور سماج، دہلی: مکتبہ جامعہ ملیہ، ۱۹۷۴ء، ص:۱۸
۱۵۔ محمد اقبال، علامہ، کلیات اقبال مع شرح، ۲۵۴
۱۶۔ خواجہ حمید یزدانی، ڈاکٹر، سلیم اختر، ڈاکٹر، شرح ارمغانِ حجاز، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۴ء، ص:۹۳
۱۷۔ غلام عمر، ڈاکٹر، اقبال کا انسان کامل، لاہور: مکتبہ عالیہ، ۱۹۷۶ء، ص:۱۷
۱۸۔ محمد امین، ڈاکٹر، ہمارا تعلیمی بحران اور اس کا حل، لاہور: ادارہ مطبوعات طلبہ، ۲۰۱۰ء، ص:۲۱
۱۹۔ غلام عمر، ڈاکٹر، اقبال کا انسان کامل، لاہور: مکتبہ عالیہ، ۱۹۷۶ء، ص:۵۷
۲۰۔ حمید یزدانی، شرح ضرب کلیم، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۵ء، ص:۸۰
۲۱۔ ایضاً، ص:۸۱
۲۲۔ ایضاً، ص:۹۳
۲۳۔ محمد امین، ڈاکٹر، ہمارا تعلیمی بحران اور اس کا حل، ص:۲۰
۲۴۔ ایضاً، ص:۳۳